ڈاکٹر محمد ریاض

برِّصغیر میں صوفیائے کرامؒ کی خدمات

مندرجہ بالا عنوان ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے، بلکہ کئی ضخیم کتابوں کا۔ ظاہر ہے کہ ایک مختصر گفتگو میں اہم تر امور کی طرف اشارہ ہی کیا جا سکے گا۔

برِّصغیر میں ورودِ دینِ اسلام کے دور کی کوئی تاریخ متعین کرنا مشکل ہے، مگر یہ تاریخ فتحِ ایران کی تاریخ پر اگر مقدم نہ ہو تو اس سے زیادہ مؤخر بھی نہ ہو گی۔ ایران کو عرب مسلمانوں نے ۲۱ھ میں مسخر کیا تھا۔ مگر قرائن بتاتے ہیں کہ برصغیر کے ساحلی علاقوں کے کئی افراد نے عرب تاجروں اور مبلغوں کے ہاتھ پر اس سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ فتحِ ایران کے بعد مسلمان مبلغ اور تاجر برصغیر میں زیادہ تعداد میں وارد ہونے لگے تھے، خصوصاً اس منطقۂ ارضی میں جسے پاکستان سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا، یہاں تک کہ ۹۲ھ میں محمد بن قاسمؒ کے ہاتھوں فتحِ سندھ کا کام انجام پایا۔ اس حملے نے موجودہ سندھ اور پنجاب کے اکثر علاقوں میں مسلمانوں کو تمکن و اقتدار دے دیا اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں سلطان محمود غزنویؒ (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے حملوں سے قبل بھی اس علاقے میں مختلف سیاسی وابستگیاں رکھنے والے مسلمان حاکم رہے ہیں۔ البتہ تحقیقی مآخذ خاموش ہیں کہ اس دوران تبلیغِ اسلام کے لیے مسلمان حکمرانوں یا افراد نے کس طرح کام کیا تھا؟

بظاہر عصرِ غزنوی سے قبل بھی صوفیائے کرام تبلیغ و اصلاح کی مساعی سے بہرہ مند رہے ہوں گے مگر ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات ناپید ہیں۔ نظامِ تصوف کے باقاعدہ آغاز کو دوسری صدی ہجری کے ربع اول سے مربوط کیا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس ہو گی کہ عصرِ غزنویہ سے قبل برصغیر میں تصوف یا صوفیاء نہ پہنچے تھے۔ چنانچہ سید اسماعیل بخارائی (م ۳۹۵ھ) کی کسی قدر فعالیتیں کتبِ تواریخ میں منقول ملتی ہیں۔ اسی دوران شیخ حسین زنجانی لاہور آئے تھے اور شیخ حسام الدین بھی یہیں تھے۔

برصغیر کے بظاہر پہلے اہم عظیم صوفی و مبلغ حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری جلابی معروف بہ داتا گنج بخش ؒ ہی تھے۔ آپ بظاہر ۴۳۱ھ میں نواحِ غزنی سے لاہور تشریف لائے اور کوئی نصف صدی تک (سال وفات تقریباً ۴۸۰ھ ہے) یہیں قیام فرمایا۔ حضرت موصوف کی تبلیغی اور اصلاحی خدمات کو علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) نے اسرارِ خودی کے درج ذیل چھ اشعار میں بے نظیر ایجاز و بلاغت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے ؎

سیدِ ہجویر مخدومِ امم ۔۔۔ مرقدِ او پیرِ سنجر[1] را حرم

بندہای کہسار آسان گیختن ۔۔۔ در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریختن

عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد ۔۔۔ حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد

پاسبانِ عزتِ ام الکتاب ۔۔۔ از نگاہش خانۂ باطل خراب

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت ۔۔۔ صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق ۔۔۔ از جبینش آشکار اسرارِ عشق

یہاں حضرت داتا گنج بخش ؒ کی خدمات کا مفصل تذکرہ کیا جاسکتا ہے نہ ان کی عظیم صوفیانہ اور عالمانہ کتاب "کشف المحجوب" کا۔ حضرت موصوف کے مرشد ابوالفضل ختلانی ؒ تھے۔ آپ نے لاہور کو اپنی مساعی جمیلہ کا مرکز بنایا اور اپنے ارشادات اور مواعظِ حسنہ کے ذریعے ہزاروں غیر مسلموں کو قبولیتِ اسلام کے شرف سے نوازا اور متعدد بے عمل مسلمانوں کی اصلاحِ حالت کی۔

---

[1] اصل سنجر (س ج ز) ہے۔

(۴) حضرت داتا گنج بخشؒ کی زندگی میں شریعت اور طریقت کا امتزاج نظر آتا ہے[۱] وہ ہر روز علی الصبح قرآن مجید کا درس دیتے، دن کے ابتدائی حصے میں کسبِ معاش کرتے، سہ پہر کو مبلغین کو دعوتِ اسلام کے لیے ضروری ہدایات دیتے اور نمازِ مغرب کے بعد ایک کھلے میدان میں وعظ و تبلیغ کا فرضِ کفایہ ادا فرماتے رہے۔ ان کی تالیف کشف المحجوب ان کے علم و فضل اور سوزِ دل کی شاہدِ ناطق ہے[۲]۔ جس طرح اس کتاب میں انھوں نے کشفِ حجابات کیے، اپنے وعظ و ارشاد میں بھی وہ اسی طرح رفعِ شکوک فرماتے اور چہرۂ توحید کو اجاگر کرتے رہے ہیں۔ حضرت ممدوح و مخدوم نے مسجد بنوائی اور ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی تھی۔ مسجد، خانقاہ اور بھاٹی دروازے کے کھلے میدان میں ان کے مواعظ نے لوگوں کی کایا پلٹ کے رکھ دی تھی۔ اسی مناسبت سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب یہ شعر اس قدر معروف ہے ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

بہر حال حضرت داتا گنج بخشؒ کی یہ خدمات معمولی نہیں کہ انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے مسجد بنوائی اور اس کی تعمیر میں خود بھی شرکت کرتے رہے۔ انھوں نے کفّار کو مسلمان اور مرتدین کو تائب کیا تھا[۳]۔

سرزمینِ بنگال میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے معاصر صوفیاء اور مبلغین میں میر سید محمود ماہی سوارؒ (م ۴۳۹ھ) اور شاہ محمد رومی (م ۴۴۵ھ) کے نام بہت معروف ہیں۔ ان حضرات اور ان کے مؤخر ہم مسلکوں کے اہم تر مقاصد یہ نظر آتے ہیں کہ

(۱) برصغیر کے مکینوں کو دینِ اسلام سے روشناس کروایا جائے۔

(۲) اسلام قبول کرنے والوں کی ظاہری اور باطنی طور پر اس طرح تربیت کی جائے کہ

---

[۱] کشف المحجوب (مخطوطہ محمد شفیع) مرتبہ احمد ربانی۔ لاہور۔ ۱۹۶۷ء۔ دیکھیں مقدمہ

[۲] محمد عبدالمجید یزدانی، گنج بخش بحیثیت عالم لاہور ۱۹۶۸ء ؟

[۳] ڈاکٹر محمد صدیق خان (شبلی)، حضرت داتا گنج بخش لاہور (سنگِ میل پبلی کیشنز) س ن

وہ حسنَ الدّنیا والآخرہ کا مظہر بنیں۔

(۳) کمزور اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کی جائے۔

اِس آخری مقصد کے لیے صُوفیائے کرام کا ایک گروہ بادشاہوں اور صاحبانِ اقتدار پر بھی اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ اشارات آگے آئیں گے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے اور "اگر گفتہ را باز گویم رواست" کہ برصغیر میں دین اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی وہ بیشتر صوفیائے کرامؒ کی مساعیٔ جمیلہ سے انجام پذیر ہوئی ہے۔ یہ امر بڑا افسوس ناک ہے کہ اس سرزمین میں اشاعتِ اسلام کی خاطر مُلوک و اُمرا وغیرہم نے بالعموم کچھ نہیں کیا۔ یہ لوگ ایک غلط قسم کی رواداری کے قائل رہے ہیں۔ حالانکہ تبلیغِ دین اور ہے، اور جبرو اکراہ اور۔ خدائے تعالیٰ نے تبلیغِ دین کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے[1] اور مسلمانوں کے ایک گروہ کو بہرحال اس کام میں مصروف رہنا چاہیے۔ مگر مبلغین کا کام ابلاغِ دین ہے اور جبرو اکراہ سے کسی کو مسلمان بنانا ایک ناروا بات ہے[2]۔ برصغیر کے مسلمان ملوک و امراء نے عموماً ابلاغِ دین نہ کرنے کو بھی رواداری جانا ہے مگر یہ صوفیائے کرام تھے جنھوں نے ابلاغِ دین کا فریضہ انجام دیا نیز وہ رواداری اور وسعتِ ظرف کے نمونے بھی فراہم کرتے رہے۔ صوفیائے کرامؒ کا رابطہ عوام الناس سے رہا ہے۔

برصغیر میں وارد ہونے والے صوفیاء کی اکثریت فارسی زبان تھی مگر انھوں نے بظاہر یہاں کی مقامی زبانوں پر بھی کسی قدر عبور حاصل کیا ہوگا تاکہ لوگ ان کے بیانات سے مستفید ہوں۔ ان کی مساعی کے نتیجے میں برصغیر میں فارسی اور عربی زبانوں کا رواج ہی نہیں بڑھا بلکہ اُردو[3] اور دیگر علاقائی زبانوں کی نشوونما بھی ہوئی اور ان سب زبانوں میں عربی اور خصوصاً فارسی کلمات کی حسین آمیزش ہوئی ہے۔

---

[1] قرآن مجید آیت ۱۰۴ سورۃ ۳

[2] ایضاً ۲۵۶ : ۲

[3] ڈاکٹر عبدالحق (بابائے اُردو) اُردو کی نشوونما میں صُوفیائے کرامؒ کا حصّہ، (حیدر آباد دکن / کراچی)

ان جملہ ہائے معترضہ کے بعد اب چند دیگر ایسے صوفیائے کا ذکر کریں جو "صوفی گر" کہے جا سکتے ہیں :-

ان میں شیخ سخی سرورؒ (م ۵۷۷ھ)، خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ (م ۶۳۲ھ)، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ (م تقریباً ۶۶۶ھ)، خواجہ فریدالدین گنج شکر چشتیؒ (م ۶۶۴ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م ۶۳۳ھ)، شیخ صدرالدین عارف ملتانیؒ (م ۶۸۶ھ)، حضرت علاؤالدین صابر کلیریؒ (م ۶۹۰ھ) اور شیخ جلال الدین بخارائی سہروردیؒ (م ۶۹۰ھ) چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے بزرگ صوفیاء میں سے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ کا نام نامی برصغیر میں معروف ہے۔ آپ خراسان کے منطقہ سیستان کے رہنے والے تھے۔ اس مقام کو سجستان وغیرہ بھی کہتے ہیں، اسی لیے آپ کو پیر سجزی کہا جاتا ہے۔ پیر سجزی کے مرشد خواجہ عثمان ہرونیؒ تھے مگر انھوں نے کئی دیگر بزرگوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔

خواجہ غریب نوازؒ نے عالم اسلام اور برصغیر کے مختلف علاقوں میں کئی بار گزر فرمایا مگر ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اجمیر میں بسر ہوا ہے۔ آپ کے ورود ہند کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں (۵۵۸ھ، ۵۶۱ھ اور ۵۸۱ھ وغیرہ) لاہور میں وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلہ کش رہے مشہور مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ نے تبلیغ اسلام نام کی اپنی انگریزی تالیف میں لکھا ہے کہ حضرت موصوف نے دہلی سے اجمیر تک کے سفر اول کے دوران جو تبلیغ فرمائی، اس کے زیر اثر کوئی آٹھ سو افراد مسلمان ہو گئے تھے۔ اس سے حضرت مخدوم کے بیان کی تاثیر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے برصغیر کی عمومی زبان جسے اردوئے قدیم کہہ سکتے ہیں سیکھی اور اس کے نتیجے میں ابلاغ اسلام کا کام آسانی سے عمل پذیر ہونے لگا تھا۔ حضرت ممدوح نے اپنے مواعظ و ارشادات کے ذریعہ ہزارہا افراد کو دین اسلام سے مشرف فرمایا اور مخالف اسلام قوتوں کا مردانہ وار ابطال کیا تھا۔[۱]

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، لوگوں کی بہبودی کے کام میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور اس

---

۱ سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ مرتبہ وحید احمد مسعود (کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۲

خاطر امراء و ملوک کے ساتھ روابط رکھنے سے پرحذر نہ رہتے۔ موصوف کے داماد اور مرید شیخ فخرالدین عراقی (م ۶۸۸ھ) فارسی کے صاحبِ سوز و ساز شاعر تھے۔ شیخ اور ان کے صاحبزادے صدرالدین عارف کے ارادت مند ایک بزرگ امیر حسینی ہروی (م ۷۱۸ھ) تھے جنھوں نے شیخ سعدالدین محمود شبستری تبریزی (م ۷۲۰ھ) کو حقائقِ تصوف کے بارے میں ۱۷ سوالات لکھ بھیجے اور "گلشن راز" ایسی کتاب کی تخلیق کا موجب بنے۔ خلاصۃ العارفین نام کی فارسی کتاب[۵۱] شیخ زکریا کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کس قدر وسیع القلب، خلیق و متواضع اور روشن دل تھے۔ "کتاب الاوراد" نام کی ایک کتاب بھی شیخ موصوف کے ساتھ منسوب رہی ہے اور حال ہی میں شائع ہوئی ہے[۵۲]

حضرت زکریا کی بے باکی کے کئی واقعات معروف ہیں۔ مثلاً انھوں نے ملتان اور اُچ کے حاکم ناصرالدین قباچہ (م ۶۲۵ھ) کے فسق و فجور کا فتنہ ختم کرنے کے لیے سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ-۶۳۳ھ) کو دعوتِ مبارزت دی۔ یہ خط اتفاق سے التمش کے بجائے قباچہ کو پہنچا۔ اس پر شیخ کے علاوہ قاضیٔ ملتان شرف الدین اصفہانی کے دستخط بھی تھے۔ سلطان قباچہ نے قاضی مذکور کو قتل کروا دیا مگر شیخ زکریا کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر ان سے تعرض نہ کر سکا۔ مگر شیخ ممدوح کی یہ بے باکی[۵۳] دنیا کے عجیب واقعات میں سے ہے کہ انھوں نے سلطان قباچہ کے سامنے اپنے دستخطوں کی تائید کی اور سلطان کو اس کی بداعمالیوں پر برملا متنبہ کیا۔

ابنائے نوع سے ان کی توجہ کا مظہر ایک دوسرا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے منگول حملہ آوروں کو ایک کثیر رقم اپنے کیسۂ خاص سے دے کر انھیں ملتان پر حملہ کرنے سے باز رکھا تھا[۵۴]

---

۵۱ احوال و آثار شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی مع خلاصۃ العارفین مرتبہ بانو ڈاکٹر شمیم محمود زیدی اسلام آباد (مرکز تحقیقاتِ فارسی) ۵۲ منجانب اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور جنوری ۱۹۷۸ء

۵۳ شوکت علی فہمی ہند اور پاکستان کے اولیاء ۱۹۵۱ء دہلی صفحہ ۸۰

۵۴ آبِ کوثر از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام - لاہور - فیروز سنز ۱۹۶۶ء (طبع ششم) صفحہ ۲۵۸

شیخ زکریاؒ فقرِ اختیاری کے حامل تھے۔ ان کی زندگی مرفہ الحال تھی۔ وہ کسب و کار میں مشغول رہتے اور اپنے مال و دولت کو فیاضانہ مخلوقِ خدا کی رفعِ احتیاجات کے لیے خرچ کرتے رہے ہیں۔ شیخ زکریاؒ کی تبلیغ کے نتیجے میں اشاعتِ اسلام کا کام کافی آگے بڑھا اور مسلمانوں کی اصلاحِ احوال بھی ہوئی تھی۔

برصغیر میں صوفیائے کرامؒ کی تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے لحاظ سے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے زمانے بے حد اہم نظر آتے ہیں۔ مؤخر الذکر صدی کے بزرگ صوفیا میں خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ (م ۷۲۵ھ)، سید بلال (بلبل ؟) شاہ ترکستانی (م ۷۲۷ھ)، شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (م ۷۵۷ھ)، شیخ اخی سراج (م ۷۵۸ھ)، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاری (م ۷۸۲ھ)، مخدوم جہانیانِ جہاں گشت، سید جلال الدین اچی (م تقریباً ۷۸۵ھ)، شیخ علاء الحق ڈاکوی[۱] بنگالی (م ۷۸۶ھ)، میر سید علی ہمدانی، شاہ ہمدان (م ۷۸۶ھ)، شیخ نور قطب عالم (م تقریباً ۸۱۸ھ) میر سید محمد گیسو درازؒ (م ۸۲۵ھ) اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (م تقریباً ۸۲۹ھ) کے اسمائے گرامی، ردیفِ اول میں لکھنے کے قابل ہیں۔ ان حضرات نے برصغیر کے ہر خطے میں اشاعتِ اسلام کے کام کو سرعت اور وسعت بخشی، تہذیبِ اسلامی کو متشکل کیا اور مفلوک الحال لوگوں کی حالت بہتر بنانے میں بغایت مدد کی۔ ان کی سادہ زندگیوں اور دلپذیر تعلیمات نے لاکھوں غیر مسلموں کو دینِ اسلام کی خلعت سے مشرف کیا اور لاکھوں متزلزل ایمان والوں کو نعمت یقین و ایقان سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ صوفیائے کرامؒ کی اکثریت نے عربی اور فارسی میں کتب و رسائل بھی لکھے۔ بعض حضرات شاعر بھی تھے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے جن چند صوفیائے کرام کے اوپر نام گنوائے گئے ہیں، ان میں شیخ شرف الدین منیریؒ، مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ، شاہ ہمدان سید علی ہمدانیؒ، سید گیسو درازؒ اور سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ خصوصاً بڑے مصنفین کی صف اول میں بھی شامل ہیں۔ ان حضرات کی اکثریت نے حکام و امراء کے قلوب کو بھی مسخر کیے رکھا اور بقولِ اقبالؒ اپنے نفس گرم کی تاثیر سے مسیحائی کرتے رہے۔ جن صوفیاء

---

[۱] ڈھاکہ کے قریب پنڈوہ نامی گاؤں میں رہتے تھے۔

کرامؒ نے حکام اور امراء سے اجتناب رکھا، جیسے خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور ان کے بعض مریدین، ان کی اس روش کے بھی سلبی اور ایجابی دونوں قسموں کے اثرات سلاطین پر مترتب ہوتے رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ بعض صوفیاء کی جلالتِ شان سے سلاطین و امراء لرزہ بر اندام رہے اور بعض کی سیرچشمی اور بے نیازی سے! فرق طریقِ کار کا تھا، بعض نے خلوت یا جلوت کو مقدم جانا اور بعض نے دونوں کو اپنایا۔ مگر برصغیر کے صوفیاؒ بالعموم شریعت و طریقت، جلوت و خلوت اور صلح و جہاد کا امتزاج بنے رہے ہیں ؎

تکیہ بر محبت و اعجازِ بیان نیز کنند
کارِ حق گاہ بشمشیر و سنان نیز کنند
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقان بندۂ حال اند، وچنان نیز کنند
عشق مانندِ متاعی است ببازارِ حیات
گاہ ارزان بفروشند، وگران نیز کنند

(اقبالؒ: زبورِ عجم حصہ دوم)

سید جلال الدین اچی یعنی مخدوم جہانیانِ جہانگشتؒ، میر سید علی ہمدانی شاہ ہمدانؒ اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ہم عصر ہی نہیں، ہم کار اور ہم گام بھی ہیں۔ ان تینوں حضرات نے از کشمیر تا جنوبِ ہند اشاعتِ اسلام اور بہبودیٔ عوام کی خاطر غیر معمولی خدمات انجام دیں اور راقم الحروف، دیگر صوفیاؒ کی خدمات کی اہمیت اجاگر کرنے کے سلسلے میں، ان نمائندگانِ طریقت و فتوت کی بعض مساعی کی طرف اشارہ کرے گا۔ یہ تینوں حضرات بہت بڑے سیاح بھی رہے ہیں۔

سید جلال الدین اچی اپنے لقب "مخدوم جہانیان جہاں گشت" کی بنا پر سیاح کے طور پر معروف تر ہیں مگر دیگر دونوں حضرات نے بھی عالم اسلام کے اکثر نقاط میں گزر فرمایا تھا۔ حضرت مخدوم کے ان دونوں حضرات اور جملہ معاصر صوفیاء جیسے شیخ شرف الدین منیریؒ اور خواجہ گیسو درازؒ کے ساتھ روابطِ حسنہ استوار رہے ہیں۔ حضرت موصوف کی زندگی کے یہ پہلو قابلِ ذکر

ہیں کہ انھوں نے خدمتِ دین کی خاطر سلطان محمد تغلق کے عہد (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) میں کچھ عرصہ "شیخ الاسلام" کا عہدہ سنبھالا تھا۔ ان کی بے نیازی اور خدمت شعاری کا سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) بے حد معتقد تھا۔ اس سلطان کی عدل پسندی اور نیک سرشتی حضرت مخدومؒ کی مرہونِ منت بتائی جاتی ہے۔[۵۱]

حضرت مخدومؒ کی سیر و سیاحت تبلیغ و اشاعتِ دین سے مربوط رہی اور اس میں لطفِ سفر کے پہلو کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ یہی حال شاہ ہمدانؒ اور اشرف جہانگیرؒ کی سیر و سیاحت کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ بعض سیر و گردش میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں[۵۲]۔ اس ضمن میں اشرف جہانگیرؒ کے دو جلدی مجموعۂ ملفوظات موسوم بہ لطائف اشرفی دربیان طوائف صوفی کا مطالعہ سُود مند رہے گا۔

حضرت شاہ ہمدانؒ، وادیٔ جموں و کشمیر اور نواحی علاقوں کے عظیم مبلغ اور مصلح تھے، علامہ اقبالؔ نے اپنے بعض بیانات، خطوط اور اشعار میں بجا طور پہ انھیں خراجِ تحسین پیش کیا[۵۳] اور ان کی فارسی تالیف ذخیرۃ الملوک میں مندرج ان کی تعلیمات کو سراہا ہے۔ جاوید نامہ (آن سوئے افلاک) میں ہے ؎

سیّد السادات، سالارِ عجم | دستِ او معمارِ تقدیرِ اُمم
مرشد آن خطّۂ مینو نظیر | میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطّہ را آن شاہِ دریا آستین | داد علم و صنعت و تہذیب و دین
آفرید آن مرد ایرانِ صغیر | با ہنرہائے غریب و دل پذیر

شاہ ہمدانؒ نے ہمدان سے تاجیکستان ہجرت کی اور وہاں تلقین و ارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ ۷۸۱ھ میں وہ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی معیت میں کشمیر سے گزرے تھے، اسی لیے

۵۱۔ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت از محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۳ء ملاحظہ ہو۔

۵۲۔ ماہنامہ الولی حیدرآباد اکتوبر ۱۹۷۷ء میں راقم کا مقالہ دیکھیں۔

۵۳۔ انوارِ اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار۔ گفتارِ اقبال مرتبہ محمد رفیق افضل اور جاوید نامہ۔

اس خطے کی تبلیغی ضروریات کا احساس رکھتے تھے۔ ۱۳۷۲ء میں امیر تیمور لنگ (۷۷۱-۸۰۷ھ) نے انھیں تاجکستان سے جلاوطن کر دیا اور وہ ہم خاندان اور ہم خیال افراد کی ایک خاصی تعداد کے ساتھ کشمیر آ گئے۔ اس سے قبل ان کے دو عزیز اور مرید میر سید حسین اور میر سید تاج الدین یہاں مصروفِ تبلیغ تھے اور ان کے توسط سے بادشاہ اور امرائے کشمیر حضرت شاہ ہمدانؒ کے علوِ مقام سے آگاہ تھے۔ شاہ ہمدانؒ کے معاصر دونوں شاہ میری سلاطین، شہاب الدین (۷۵۵-۷۷۵ھ) اور قطب الدین (۷۷۵-۷۹۶ھ) ان کے مرید اور ارادت مند تھے۔ شاہ ہمدان کی کوشش سے شاہ میری اور تغلق سلاطینِ دہلی کے درمیان جنگوں کا طویل سلسلہ ختم ہوا اور وہ بعض رشتہ داریوں میں منسلک ہو گئے۔

شاہ ہمدانؒ وادیٔ جموں و کشمیر کے دوسرے اہم تر مبلغِ دین تھے۔ ان کے پیش رو سید شرف الدین عبدالرحمٰن بلال شاہ ترکستانی (م ۷۲۷ھ) تھے جنھیں عرفِ عام میں "بلبل شاہ" کہا جاتا ہے[1]۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ سے آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں دس ہزار نفوس مشرف بہ اسلام ہوئے اور بدھ مذہب کا پیرو بادشاہِ کشمیر رنچن نے بھی مسلمان ہو کر "صدر الدین" کا لقب اپنایا تھا۔ شاہ ہمدانؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں کی تعداد کو تاریخ اور تذکرہ کی معتبر کتابوں میں ۳۷ ہزار بتایا گیا ہے۔ اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کی باتیں کرنے والوں کے لیے یہ امر لمحۂ فکریہ فراہم کر سکتا ہے کہ وہاں نصف لاکھ افراد نے دو درویشوں کے ہاتھ پر دینِ اسلام کو لبیک کہا تھا۔

شاہ ہمدانؒ تبت، لداخ، بلتستان اور گلگت ایسے دشوار گزار اور دور افتادہ علاقوں کے پہلے مبلغ اسلام تھے اور ان علاقوں میں ان کی بعض مقدس یادگاریں اب بھی قائم ہیں، جیساکہ علامہ اقبالؔ کے منقولہ بالا اشعار کے اشارے بھی مظہر ہیں۔ شاہ ہمدانؒ نے کشمیر میں اشاعتِ اسلام، اشاعتِ علم و دانش، پیش رفتِ صنعت و حرفت اور دیگر رفاہی کاموں کے سلسلے میں حیرت انگیز طور پر اہم خدمات انجام دی ہیں۔ تصوّفِ حقیقی کی یہ قوت قابلِ

---

[1] بلبل شاہ نوشتہ مفتی شاہ سعادت، سری نگر، ۱۳۶۴ھ

ملاحظہ ہے کہ ایک مردِ درویش نے وادی میں مدارس و مکاتب ہی قائم نہ کروائے، شال بافی کی صنعت کی سرپرستی بھی فرمائی ہے[۱۵]

شاہ ہمدان رح کے ہم سفر اور ہم مسلک بزرگ سید اشرف جہانگیر سمنانی رح کی خدمات بھی اسی قبیل کی ہیں۔ ان کی مساعی کی جولان گاہ البتہ ہند جنوبی رہا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے مکتوبات اور رسالے ان کی بے باکی اور عظمتِ شان کے مظہر ہیں۔ ان دونوں کے بیشتر مکتوبات ملوک و اُمراء کے نام مرقوم ہوئے ہیں۔

اشرف جہانگیر رح نے بظاہر سو برس سے اُوپر عمر پائی اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ برصغیر میں گزارا ہے۔ وہ مدتوں بنگال اور جونپور میں مقیم رہے اور بعد میں کچھوچھا (گجرات) منتقل ہو گئے۔ جونپور شرقی اور مالوہ کے حکمران ان کے ارادت مند تھے۔ وہ ان سلاطین کو رواداری کے ساتھ ساتھ تحفظِ دین کا درس دیتے رہے ہیں۔

سید اشرف جہانگیر اس بات کے قائل تھے کہ امراء و سلاطین سے ملاقات کرنا مستحسن ہے کیونکہ اس طرح انھیں کلمۂ حق کہا جا سکتا ہے اور لوگوں کی بہبودی کے کام انجام دینے پر انھیں متوجہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ "لطائفِ اشرفی" کے لطیفہ ۲۷ میں مرقوم ہے کہ بادشاہ یا حاکم عادل ہو یا غیر عادل، اس سے ملاقات کے موقع کو غنیمت جاننا چاہیے۔ عادل سے ملاقات نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی اور غیر عادل یا فاسق کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

سید اشرف جہانگیر رح اپنی ملاقاتوں نیز مکتوبات کے ذریعہ سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر برابر توجہ دلاتے رہے ہیں۔ انھوں نے اور بنگال کے عظیم صوفی شیخ نور قطب عالم نے ۸۱۷ھ میں سلطان جونپور ابراہیم (۸۰۳ - ۸۴۴ھ) کو دعوت دی تھی کہ وہ بنگال کے ہندو غاصب حکمران گنش سے جہاد کرے اور مسلمانوں کی از دست رفتہ سلطنت انھیں واپس

---

[۱۵] ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کی جلد اول و دوم لاہور ۱۹۴۹ء اور میری کتاب "حضرت میر سید علی ہمدانی، شاہ ہمدان" - لاہور ۱۹۷۴ء -

دلائے، مگر اس جنگ وجہاد کی نوبت نہ آئی اور ۸۲۱ھ کو بنگال میں مسلمان دوبارہ برسرِ اقتدار آگئے تھے۔ سید اشرف جہانگیر کی دعوتِ جہاد میں اس قسم کے اشعارِ فارسی بھی تھے کہ

چو دارِ دین و اسلام این چنین شُد
چرا بنشستہ ای بر تختِ مسرور ؟
تو خود صاحب قران و حاجبِ ہند
پسندی این جفا و جَورِ موفور ؟
کہ این بنگالہ سوزد ز آتشِ کُفر
تو آبِ تیغ داری از میان دور ؟
عجب دارم ز دین آن موالی
کہ می دارند ترا زین کار مقصور !
بیک ساعت منشین بر تختِ شاہی
بیا از تیغ کن این کُفر مقہور !

حضرت سید محمد حسینی ملقب بہ بندہ نواز گیسودرازؒ نے بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کی مانند طویل عمر پائی، وہ اسّی برس کی عمر تک دہلی اور اس کے نواح میں مشغولِ ارشاد رہے اور آخری عمر میں دکن میں بہمنی سلاطین کے دارالحکومت میں گلبرگہ میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے ملفوظات "جوامع الکلم" اس امر کے حاکی ہیں کہ وہ بڑی حکمت و بصیرت کے ساتھ غیر مسلموں کو دعوتِ دین دیتے رہے اور اس راہ میں انھیں غیر معمولی کامیابی نصیب ہوتی رہی۔

صوفیائے کرامؒ کا فیضِ عام برِصغیر میں دینِ اسلام کی آمد سے تا این دم جاری و ساری رہا ہے۔ اس وسیع سرزمین کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں معلوم و نامعلوم اور شناختہ و ناشناختہ صوفیاء کی خدمات کے نقوش مرتسم ہیں اور ان کی خدمات کے بارے میں سینہ بہ سینہ روایات کسی قدر مبالغہ آمیز بھی ہوں تاہم کلیتہً حقیقت سے معرّا نہ ہوں گی۔ آٹھویں صدی ہجری تک دینِ اسلام برِصغیر کے تقریباً ہر گوشے میں پہنچ چکا تھا، مگر بعد کی[9] صدیوں میں اس دین میں بعض بدعاتِ سیئہ داخل کی گئیں۔ متاخر صوفیاء کی اکثریت بدعات کے فتنہ کو ختم کرنے میں مصروف

رہی ہے۔ اس سلسلے میں دسویں گیارھویں صدی ہجری کے دو[۱] نامور صوفیاء کی زندگی اور کارناموں کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا۔ یہ حضرات خواجہ باقی باللہ نقشبندی (م ۱۰۱۲ھ) اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) تھے۔

خواجہ باقی باللہؒ کابل کے رہنے والے تھے اور برصغیر میں وارد ہوئے۔ وہ پہلے لاہور میں رہے اور بعد میں دہلی کو اپنا مستقر بنایا۔ وہ پابندیٔ شرع اور ترکِ بدعات کا کامیاب درس دیتے رہے۔ ان کے خلفاء اور مریدین میں ایک حضرت مجدد الفِ ثانی بھی تھے۔ مجدد صاحب مخدوم کی خدمات معلوم خاص و عام ہیں۔ انھوں نے اکبر و جہانگیر کے عہد کے تجدد نما الحادی فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوئے۔ وہ تمام شئونِ دین پر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کے مکتوبات ان کی دل نشین تعلیمات کے حاکی و حامل ہیں۔ وہ مصلح تھے اور مفکر بھی۔ چنانچہ تصوف کے معروف نظریہ "وحدتِ وجود" یا "ہمہ اوست" کے مقابلے میں ان کا تصور "وحدت شہود" یا "ہمہ ازوست" اب عالمگیر ہو چکا۔ اس تصور کے ابتدائی خدوخال بعض متقدم صوفیاء جیسے شیخ علاء الدولہ بیابانکی سمنانی (م ۷۳۶ھ) کے ہاں بھی موجود رہے، مگر حق انصاف یہ ہے کہ جناب مجددؒ نے اسے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا اور جملہ گنجلکیں دور فرما دیں۔ اسی تصور سے ان کا نظریہ 'عبدیت' یا 'بندگی' بھی منشعب ہوا جس کی توصیفات میں اقبالؒ اس لیے رطب اللسان رہے کہ وہ ان کے فلسفۂ 'خودی' کا مؤید و موثق ہے۔ یہ عاشقی آموز بندگی ہے اور ؎

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی، ز خاکی بیش ازان خواہی (زبورِ عجم)

صوفیائے کرامؒ کی صلح آمیز اور اخوت آموز تعلیمات کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر، راقم الحروف، حضرت میر سید ہمدانی، شاہ ہمدانؒ کے فارسی رسالہ[۱] فتوتیہ کے اپنے اردو ترجمے[۲] کا ایک

---

[۱] شائع کردہ محکمۂ اوقاف پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء

[۲] ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد مارچ ۱۹۷۱ء صفحہ ۶۹۳

اقتباس نقل کرکے اس مختصر گفتگو کو فی الحال ختم کر رہا ہے۔ مصنفِ موصوف یہاں اَخیؔ (میرا بھائی) یا فَتیٰ کے اوصاف بتارہے ہیں جو عملی تصوف کے رنگ میں رنگا ہوا ہو :-

"..... اخی وہ ہے جو مکارمِ اخلاق کا اس طرح حامل ہو کہ اس کے خصائل پسندیدہ ہوں، بوڑھوں کا احترام کرے، جوانوں کو نصیحت کرتا ہے، بچوں پر شفقت اور کمزوروں پر رحم کرے، دوستوں کے ساتھ بذل و سخاوت برتے، علمائے دین کا وقار ملحوظ رکھے، ظالموں سے عداوت برتے، فاسق و فاجر لوگوں کو کھری کھری سنائے، مخلوقِ خدا پر احسان و مروت کی بارش جاری رکھے اور اپنی اس توفیق پر خدا کے آگے انکساری و عاجزی دکھلائے، وہ دوسروں سے صلح رکھے مگر اپنے نفس نیز ہوا و ہوس اور شیطان کے خلاف جنگ کرے، دشمنوں کے مقابلے میں بردبار، مصائب و آلام میں صابر، رحمتِ خداوندی کا امیدوار اور ہر حال میں شاکر ہو، اپنے عیوب پر نظر رکھے مگر دوسروں کے عیوب بیان کرنے سے بے رغبت رہے، دوسروں کے غم سے اسے بھی غم ہو اور ان کی خوشی سے خوشی، الٰہی مقدرات پر راضی ہو، بدعات سے محترز اور شرع کا عامل ہو، راہِ طریقت پر اس کے قدم غیر متزلزل ہوں، بدنامی کے کاموں سے دور بھاگے، عذابِ الٰہی سے خائف ہو، نجاتِ اُخروی کی آرزو رکھے، غافلوں سے مجتنب ہو، مگر ان کا ناصح بھی، احباب سے شفقت کا برتاؤ کرے اور دوسروں کی دل آزاری نہ کرے، اپنے بداعمال پر نظر رکھے اور قیامت کی ہولناکیوں سے ترساں اور اعوذ خواں ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ دینی تعلیمات پر متمسک ہو، دوسروں کے فائدے کے کام کرتا رہے اور دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں سرخ روئی کا طالبِ صادق ہو ....."